© rasailojaraid.com

اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔(۳۶)

مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر سے یہ چند اقتباسات تھے جنھیں میں نے ان کی زبان دانی کے ایک خاص پہلو کے حوالے سے یکجا کیا ہے یہ پورے تدبر قرآن میں سے صرف انہیں مقامات سے حوالے دیے گئے ہیں جو مختلف مواقع پر مطالعہ کے دوران ذہن میں محفوظ رہ گئے تھے۔ اگر تدبر قرآن کا شروع سے آخر تک مطالعہ کر کے ان لسانی بحثوں کا استقصاء کیا جائے تو اس طرح کی سینکڑوں مثالیں جمع ہو جائیں گی۔

حواشی

(۱) امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، ورلڈ اسلامک پبلیکشنز، دہلی ۱۹۷۹ء، ۱/ ۶۔۷

(۲) ایضاً، ۱/ ۱۲

(۳) دیوان امراء القیس، دار صادر بیروت، ۱۹۵۸ء ص ۳۷

(۴) امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور طبع چہارم، ۱۹۸۸ء، ۹/ ۴۴

(۵) امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، ۱/ ۱۳

(۶) ایضاً ۱/ ۱۸۱ (۷) ایضاً، ۱/ ۱۸۱

(۸) ایضاً، ۱/ ۱۳۶ (۹) ایضاً، ۱/ ۳۲۳

(۱۰) ایضاً، ۱/ ۴ (۱۱) ایضاً، ۱/ ۴۳۱

(۱۲) ایضاً، ۱/ ۱۴۴ (۱۳) ایضاً، ۱/

(۱۴) امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، تاج کمپنی، دہلی، ۱۹۸۹ء ۵/ ۲۲۸

(۱۵) ایضاً، ۲/ ۵۱۱۔۵۱۲

(۱۶) ایضاً، ۹/ ۱۰۷

(۱۷) ایضاً، ۹/ ۱۱۳ (۱۸) ایضاً، ۱/ ۲۹۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱۹) امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، انجمن خدام القرآن، لاہور، ۱۹۷۸ء، ۳/ ۶۳۵

(۲۰) ایضاً، ۳/ ۳۶۱

(۲۱) امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، بار اول، تاج کمپنی، دہلی، ۱۹۸۹ء، ۵/ ۷۹

(۲۲) ایضاً، ۳/ ۲۲۳

(۲۳) امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۸۸ء، ۴/ ۷۹

(۲۴) امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، بار اول، تاج کمپنی، دہلی، ۱۹۸۹ء ۷/ ۴۹۳

(۲۵) ایضاً، ۱/ ۱۵

(۲۶) ایضاً، ۵/ ۱۹۲

(۲۷) ایضاً، ۷/ ۱۸۶

(۲۸) ایضاً، ۳/ ۳۶۶

(۲۹) ایضاً، ۹/ ۶۰۹

(۳۰) امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، بار اول، تاج کمپنی، دہلی، ۱۹۸۹ء ۴/ ۱۴۱

(۳۱) ایضاً، ۵/ ۲۰۸

(۳۲) امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، بار اول، تاج کمپنی، دہلی، ۱۹۸۹ء ۶/ ۳۶۳

(۳۳) ایضاً، ۶/ ۴۶۳

(۳۴) ایضاً، ۴/ ۳۹۴

(۳۵) ایضاً، ۵/ ۶۸۹

(۳۶) ایضاً، ۶/ ۵۷۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا امین احسن اصلاحی کی خدمت حدیث

خالد مسعود

مولانا امین احسن اصلاحی کی وجہ شہرت اس وقت ان کی عظیم الشان تفسیر "تدبر قرآن" بن چکی ہے۔ یہ تفسیر ان کی غیر معمولی محنت اور فکر و تدبر کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ اس میں مولانا کی تحقیق کا رنگ، اسلوب نگارش اور طرز استدلال ہر چیز ایسی ہے جو ان کے اس کارنامہ کو منفرد بنا دیتی ہے۔ قرآن مجید کی اس خدمت کے آگے مولانا کی دوسری خدمات علمی و دینی ماند پڑ گئی ہیں، اگرچہ وہ بھی نہایت وقیع اور اپنی جگہ منفرد ہیں۔ انہی میں مولانا کی خدمت حدیث کو شمار کیا جا سکتا ہے۔ جو ابھی تک پوری طرح منظر عام پر نہیں آسکی ہے اس لئے لوگ بالعموم اس سے آگاہ نہیں ہیں۔

مولانا اصلاحی قرآن کی طرح حدیث کے بھی مستند عالم تھے اور انہیں ہم عصر علماء میں نہایت عالی سند حاصل کرنے کا شرف عطا ہوا۔ علم حدیث کے ساتھ اپنے تعلق کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

> "اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ مجھے ابتداء ہی سے قرآن شریف کی طرح حدیث سے بھی قلبی لگاؤ رہا ہے چنانچہ مولانا فراہی کی وفات کے بعد میرے دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک امام فن سے قرآن سیکھنے اور سمجھنے کی توفیق بخشی اسی طرح کسی صاحب فن سے حدیث شریف کے سیکھنے کا بھی انتظام فرمادے۔"(۱)

اللہ تعالیٰ نے مولانا کی یہ آرزو پوری فرمائی۔ ۱۹۳۱ء کے اوائل میں وہ شارح ترمذی مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے جامع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترمذی کا درس لیا۔ استاد نے بطور سند شرح ترمذی کا ایک نسخہ اپنے دستخط سے مزین فرما کر شاگرد کو عنایت کیا۔ درس کے زمانہ میں مولانا کے اندر حدیث پر جس نوع کے کام کا جذبہ پیدا ہوا وہ اسے یوں بیان کرتے ہیں :

"سچ پوچھئے تو اسی زمانہ میں میرے اندر یہ شوق پیدا ہوا تھا کہ صحیحین میں سے کسی ایک کی شرح لکھی جائے جس میں بنائے اعتماد کتاب کا نام یا مجرد حدیث کی سند نہ ہو بلکہ تحقیق حدیث کے وہ فطری اصول ہوں جن کی طرف میں نے اشارہ کیا۔ اس شرح پر ایک مبسوط مقدمہ میں حدیث پر غور و تحقیق کے فطری اصول بھی بیان کر دیئے جائیں اور تمام صحاح کو سامنے رکھ کر اس کتاب کی ایک ایسی شرح بھی لکھ دی جائے جو احادیث پر غور و تدبر اور ان کی تحقیق و تبصرہ کی قابل اعتماد راہ کھول دے۔" (۲)

مولانا کے پیش نظر یہ بات ہمیشہ رہی لیکن عملاً وہ اس کے لئے جلد کوئی اقدام نہ کر سکے۔ ان کے خیال میں تفسیر قرآن کا حق مقدم تھا۔ جب تک وہ اس سے عہدہ برا نہ ہوئے، دوسرے کسی کام میں پوری طرح منہمک نہیں ہو سکتے تھے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ انھوں نے تفسیر کی تحریر و تسوید سے فراغت تک حدیث پر کوئی کام نہیں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے اپنی متعدد تصانیف میں موضوعات کی ضرورت کے لحاظ سے حدیث سے بھر پور استفادہ کیا۔ اس کے علاوہ ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۵ء تک اپنے قائم کردہ حلقہ تدبر قرآن لاہور کے رفقاء کو مسلم شریف کا درس دیا۔ تفسیر تدبر قرآن کے فرض سے مولانا ۱۹۸۰ء میں سبک دوش ہوئے تو ادارہ قرآن و حدیث خاص حدیث پر کام کے لئے تشکیل دیا۔ اس کے تعارف میں انھوں نے لکھا :

"قرآن پر غور کرنے کا جو صحیح طریقہ ہے وہ میں نے تدبر قرآن میں واضح کر دیا ہے اور پورے قرآن کی تفسیر کر کے یہ دکھا بھی دیا ہے کہ اگر یہ راہ اختیار کی جائے تو وہ تمام اختلافات آپ سے آپ رفع ہو جاتے ہیں جو محض قرآن کا صحیح علم نہ ہونے کے سبب سے پیدا ہو گئے ہیں۔ میرے نزدیک حدیث پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غور کرنے کے طریقے میں بھی بنیادی اصلاح کی ضرورت ہے۔ اس وقت حدیث کی تعلیم ہر مکتبہ فکر کے علماء اپنے اپنے تقیدات کے تحت دے رہے ہیں۔ کلام و عقائد اور فقہیات میں جس گروہ کا جو مسلک ہے وہ کوشش کرتا ہے کہ قرآن و حدیث دونوں سے وہ اپنی تائید حاصل کرے۔ اگرچہ اس کے لئے اسے کتنا ہی ظلم کرنا پڑے۔ حالانکہ صحیح علمی طریقہ یہ ہے کہ قرآن کی طرح پورے ذخیرۂ حدیث پر بھی براہ راست ان کے الفاظ ان کے موقع و محل، ان کے سیاق و سباق، ان کے نظائر و شواہد اور قرآن کے ساتھ ان کی موافقت یا عدم موافقت کے پہلوؤں سے غور کیا جائے اور بغیر کسی گروہی تعصّبات کے وہ حدیثیں اختیار کی جائیں جو مذکورہ کسوٹی پر پوری اترتی ہوں۔ اگرچہ وہ ہماری خواہشوں کے خلاف ہوں۔ ہمیں اتباع بہر حال رسول اللہ ﷺ کی کرنی ہے نہ کہ اپنی خواہشوں کی یا کسی خاص فقہ و کلام کی۔"

اس تحریر میں ہمیں مولانا فراہی کی تربیت اور ان کے پیش نظر نقشۂ کار کی جھلک نظر آتی ہے۔ مولانا اصلاحی ہر حدیث کی قرآن سے موافقت یا عدم موافقت کا فیصلہ کرنے کے لئے قرآن کو کسوٹی مان کر حدیث کی تحقیق کا عزم کرتے ہیں اور روایات پر غور کرنے کے لئے بھی وہی انداز تحقیق اختیار کرنے کی تجویز دیتے ہیں جو فراہی مکتب فکر میں قرآن مجید پر غور کرنے کا انداز ہے۔

مولانا نے حدیث پر کام شروع کرنے سے قبل نہایت جانفشانی اور عرق ریزی کے ساتھ اصول حدیث کی کتابوں کا نئے سرے سے مطالعہ کیا۔ موطا امام مالک کی شرحیں پڑھ ڈالیں اور صحیح بخاری کا دقت نظر سے مطالعہ کیا۔ اس کے بعد ادارہ تدبر قرآن و حدیث میں پہلے اصول حدیث پر لکچر دیئے جو 'مبادی تدبر حدیث' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ پھر موطا امام مالک اور صحیح بخاری کے دروس کا آغاز کیا۔

'مبادی تدبر حدیث' ان مضامین پر مشتمل کتاب ہے جن کو مولانا فہم حدیث کے لئے اہم خیال کرتے تھے۔ کتاب کے مقدمہ میں انھوں نے لکھا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اس مضمون میں وہ اصول و مبادی میں نے بیان کر دیئے ہیں جو احادیث کو سمجھنے اور ان کے صحت و سقم کا فیصلہ کرنے کے لئے میں ضروری سمجھتا ہوں اور جن کو میں نے ملحوظ رکھا ہے۔ ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جس میں کوئی مجھے منفرد قرار دے سکے۔ یہ ساری باتیں ہمارے ائمہ حدیث کی مستند کتابوں سے ماخوذ ہیں اور یہ ایسی معقول اور فطری ہیں کہ کوئی عاقل ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ جو لوگ صرف اپنے فقہی مسلک ہی کی حدیثیں پڑھنے پڑھانے پر قانع ہیں ان کا کام بہت سہل ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ ان اصولوں کی قدر و قیمت کا اندازہ نہ کر سکیں۔ بلکہ اندیشہ ہے کہ وہ ان سے متوحش ہوں۔ لیکن جن کو پورے ذخیرہ حدیث کی چھان بین کرنی اور اس کو دین کے ماخذ کی حیثیت سے تمام خلق کے سامنے پیش بھی کرنا ہو ان کے ہاتھوں میں ایک ایسی کسوٹی کا ہونا ضروری ہے جس کو ایک کسوٹی تسلیم کرنے سے کوئی صاحب انصاف انکار نہ کر سکے۔"(۳)

مولانا کی یہ بات تو بلاشبہ صحیح ہے کہ انھوں نے جو کچھ لکھا اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جس میں کوئی ان کو منفرد قرار دے سکے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کا مضامین کو پیش کرنے کا انداز اور محاکمہ اپنی نظیر آپ ہے۔ ہر موضوع کی تنقیح وہ اس طرح کرتے ہیں کہ دل و دماغ روشن ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر 'حدیث' اور 'سنت' کی اصطلاحات پر اصولوں کی کتابوں میں جو بحثیں ملتی ہیں ان میں یہ دونوں لفظ مترادف سے محسوس ہوتے ہیں یا اگر ان میں فرق کیا جاتا ہے تو وہ نہایت مبہم ہے۔ مولانا کے ہاں "حدیث نبی ﷺ کے کسی قول، فعل یا آپ کی کسی تصویب کی روایت کو کہتے ہیں' عام اس سے کہ وہ ثابت شدہ ہو یا اس کا ثابت ہونا محل نزاع ہو۔"(۴) اس کے برعکس "سنت وہ طریقہ ہے جو نبی ﷺ نے بحیثیت کامل نمونے کے، احکام و مناسک کے ادا کرنے اور زندگی کو اللہ تعالیٰ کی پسند کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے عملاً اور قولاً لوگوں کو بتایا اور سکھایا۔"(۵) سنت کا تمام تر تعلق عملی زندگی سے ہے یعنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان چیزوں سے جو کرنے کی ہیں۔ وہ چیزیں اس کے دائرہ سے الگ ہیں جو محض عقائدی اور علمی نوعیت کی ہیں۔ (٦) سنت کی بنیاد احادیث پر نہیں ھے جن میں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہوتا ہے بلکہ امت کے عملی تواتر پر ہے۔ (٧) امت کے عملی تواتر سے مراد نبی ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین اور صحابہ کا عمل ہے کیونکہ دین کا مرکز یہی گروہ ہے۔ قرآن و سنت سے صریحاً متناقض اعمال کی حامل بھیڑ کا عمل بدعت اور گمراہی ہے۔ (٨) قرآن مجید میں جو روح ہے اس کو سنت رسول ﷺ سے قالب نصیب ہوتا ہے ان دونوں کی ترکیب ہی سے دین کا پورا نظام کھڑا ہوتا ہے ان میں سے کسی ایک کو بھی الگ کر لیجئے تو سارا شیرازہ درہم برہم ہو جائے گا۔ (٩) سنت قرآن مجید کی تفسیر، تعریف اور تبیین کا کام کرتی ہے۔ وہ قرآن کے کسی حکم کی ناسخ اس وجہ سے نہیں ہو سکتی کہ پیغمبر ﷺ کو یہ حق سرے سے حاصل نہیں تھا کہ آپ قرآن کے کسی حکم میں سر مو تبدیلی کر سکیں۔ (١٠) مولانا کی اس وضاحت سے حدیث اور سنت ایک دوسرے سے ممیز ہو کر سامنے آجاتی ہیں اور سنت کے حدود اور اس کی دین میں اہمیت بھی واضح ہو جاتی ہے۔

مبادی تدبر حدیث میں مولانا نے حدیث و سنت کے علاوہ معیار صحابیت سند، خبر واحد، روایت بالمعنی، حدیث کے غث و سمین میں امتیاز کے لئے اساسی کسوٹیاں، تدبر حدیث کے بنیادی اصول اور علم حدیث کی امہات کتب کے عنوانات پر بحث کی ہے ان کے نزدیک صحابہ کرام امت کا ہراول دستہ اور شہداء اللہ فی الارض کے منصب پر فائز ہیں۔ لہذا محدثین کا یہ اصول مبنی بر حق ہے کہ تمام صحابہ جرح سے بالا تر اور عدول ہیں۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم "رسول ﷺ کی طرف ان کی منسوب کردہ حدیث کے بارے میں یہ رائے رکھیں کہ وہ پوری امانت و دیانت کے ساتھ روایت کی گئی ہے اور اس کے بارے میں بلاوجہ کسی شبہ میں نہ پڑیں۔ جہاں تک سلسلہ روایت کے باقی راویوں کا تعلق ہے وہ سب کے سب تنقید کی زد میں آتے ہیں۔ ان سب کی امانت و دیانت، علمی مرتبہ، حافظہ، دین پر عمل ہر چیز کو پرکھا جائے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محد ثین کے ہاں کسی حدیث کے صدق و کذب کے فیصلہ میں سند کی غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے۔ اگر سند کے رجال میں کوئی خرابی نظر نہ آتی ہو تو روایت کو حدیث رسول ﷺ مان لیا جاتا ہے اور متن میں کچھ اعتراضات پیدا ہوں جب بھی روایت کے خلاف کچھ کہنا کلمہ کفر قرار پاتا ہے اس ضمن میں مولانا اپنے زمانہ طالب علمی کا تجربہ یوں بیان کرتے تھے۔ کہ میں جب اپنے استاذ مکرم مولانا مبارکپوری سے ترمذی شریف کا درس لیتا تو بعض متون حدیث پر میرے ذہن میں سوالات پیدا ہوتے۔ میں استاذ گرامی کے سامنے اپنے سوال رکھتا تو وہ فرماتے کہ 'سند کو دیکھو' میں اس کے رجال میں کوئی خرابی نہ پاتا اور کہتا کہ سند میں تو کوئی خامی نہیں ہے تو وہ فرماتے کہ 'پھر آگے چلو' اس طرح متن حدیث کے بارے میں میری تشفی نہ ہوتی۔ لیکن میں یہ بات سمجھ گیا کہ محد ثین کا حدیث کی صحت و سقم کے فیصلہ میں اصل انحصار سند پر ہے۔

مبادی تدبر قرآن میں مولانا سند کے بارے میں لکھتے ہیں کہ حدیث کے بعض غالی حامیوں کا خیال یہ ہے کہ کسی حدیث کی صحت کے ثبوت کے لئے مجرد اس کی سند کا علم اصول کے معیار پر پورا ہونا کافی ہے۔ یہ خیال غلو پر مبنی اور محض حسن ظن ہے۔ سند کے تمام محاسن، لطائف، عظمت، اہمیت اور اس کے مطابق معیار ہونے کے باوجود اس میں کئی فطری خلا رہ جاتے ہیں۔ مثلاً اپنے تعلق اور علاقہ سے بعید ہزاروں آدمیوں کے عقیدہ و کردار، ان کے علم و عمل اور ان کے تعلقات و معاملات کی ایسی تحقیق کہ ان کے متعلق یہ طے کیا جا سکے کہ علم رسول کے حمل و نقل کے باب میں ان پر اطمینان کیا جا سکتا ہے یا نہیں، کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ثانیاً ہر محقق یہ نہیں جانتا کہ کردار کی اساسات کیا ہیں اور بد کرداری کی بنیادیں کیا ہیں۔ نیز جرح کس چیز پر ہونی چاہئے۔ اور تعدیل کس چیز کی کرنی چاہئے۔ ثالثاً ائمہ فن نے اہل بدعت سے روایت لینے میں بڑی مسامحت برتی ہے حالانکہ شیعیت، رفض، باطنیت وغیرہ اصل دین سے انحراف پر قائم ہیں۔ رابعاً محد ثین نے ترغیب و ترہیب اور فضائل کی روایات کی تحقیق میں عمداً تساہل برتا۔ اس کے نتیجہ میں کمزور روایات کا ایک دفتر کھل گیا اور اہل تصوف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے اسی کی بنیاد پر نئے عقائد، نئے اعمال اور نئے اخلاق دین میں داخل کر دئے۔ اس صورت حال میں مولانا مجرد سند کو کسی روایت کی تحقیق کا صرف ایک ذریعہ سمجھتے ہیں جب کہ متن حدیث کو پرکھنے کے لئے درایت کے اصولوں کو کام میں لاتے ہیں۔ سند کے اعتبار سے امت نے موطا اور صحیحین کو بلند درجہ عطا کیا ہے۔ لہذا مولانا فی الجملہ ان کی تحقیق رجال کو کافی سمجھتے ہیں اور متون کو محل تدبر قرار دیتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث کا تقریباً تمام ذخیرہ اخبار احاد پر مشتمل ہے۔ نیز اس کے غالب حصہ میں روایت بالمعنی ہوئی ہے جس میں نبی ﷺ کے اقوال کو منتقل کرنے میں غلطی کا احتمال ہو سکتا ہے۔

۱۔ حق وباطل میں امتیاز اور دین شریعت کی ہر چیز کی جانچ کے لئے کسوٹی قرآن مجید ہے۔ لہذا متن حدیث میں تردد ہونے کی صورت میں روایت قرآن مجید ہی کے ترازو میں تولی جائے گی۔ اس کسوٹی پر پوری نہ اترنے والی ہر حدیث یا تو موضوع ہے یا ہم تک صحیح حالت میں منتقل نہیں ہوئی۔ قرآن کی کسوٹی پر پرکھے بغیر قبول کی ہوئی روایت میں یہ امکان موجود ہوتا ہے کہ آدمی اس چیز کو دین بنالے جو دین نہیں ہے۔

۲۔ جس طرح قرآن کی تمام دعوت عقل وفطرت پر مبنی اور اپنے دعاوی پر شہادت انہی سے پیش کرتی ہے اسی طرح صحیح حدیث کی کوئی بات عقل وفطرت کے منافی نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی روایت اس کے منافی نظر آئے تو اس پر اچھی طرح غور کرنا ہوگا یہاں تک کہ اپنی عقل کی کوتاہی واضح ہو جائے یا روایت کا ضعف سمجھ میں آجائے۔

۳۔ قرآن کی طرح حدیث کا بھی اپنا ایک مجموعی نظام ہے۔ ہر حدیث اس نظام کا ایک جزو مانی جائیگی۔ اس نظام سے ہٹ کر حدیث کو صحیح طور پر سمجھا جاسکتا ہے نہ ٹھیک طور پر اس کی تاویل وتوجیہہ ہو سکتی ہے۔ اہل تصوف کے ہاں جو روایات رائج ہیں وہ بیشتر احادیث کے مجموعی نظام سے متعارض اور بے جوڑ ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۔ حدیث کی اصل زبان ٹکسالی عربی ہے۔ اس حوالہ سے صحیح احادیث کا اعلیٰ ادبی معیار ہے۔ لہٰذا ہر باب میں ان احادیث کو مقدم رکھا جائے گا جن کی زبان عہد نبوت و عہد صحابہ کی زبان سے ہم آہنگ ہو۔

۵۔ راوی حضرات اپنے اپنے ذوق کے مطابق واقعہ کے کسی حصہ کو روایت کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں بعض لازمی اور ضروری حصے چھوٹ جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر خطبہ حجۃ الوداع میں اسلام کا نہایت جامع تصور دیا گیا لیکن کسی رعایت میں خطبہ کا ایک حصہ نقل ہوا ہے تو دوسری میں دوسرا اور کسی میں تیسرا۔ ایک ہی راوی کی مختلف اوقات کی روایتوں میں تکمیل، تقلیل، اطناب اور ایجاز ہوتا رہتا ہے۔ لہٰذا کسی ناتمام کی روایت کی تاویل اس قسم کی دوسری روایات کے ساتھ ملا کر کرنی ہوگی۔ اس طرح جو مضمون متعین ہوگا وہ اصل ہوگا۔

۶۔ متن میں کلام کے عموم و خصوص، موقع و محل اور خطاب کا فہم حاصل کرنا ہوگا۔ اس سے صرف نظر کرنے سے بعض روایات کی توجیہ اس قدر غلط ہوگئی ہے کہ اسلام کو مطعون کرنے کی راہ کھل گئی ہے۔ مثال کے طور پر الائمۃ من قریش اور امرت ان اقاتل الناس کی احادیث کے موقع و محل کو نہیں سمجھا گیا۔

ان نکات کی روشنی میں مولانا نے حدیث شریف کا درس دیا جسے وہ خود تو مرتب نہ کر سکے لیکن اسے ٹیپ کر لیا اور یہ بالاقساط رسالہ تدبر میں شائع ہو رہا ہے۔

موطأ اور بخاری شریف کی اسناد پر بالعموم مولانا نے بحث نہیں کی۔ البتہ جن روایتوں کی سند میں محمد بن شہاب زہری یا ان کے شاگردوں کا نام آتا ہے وہاں مولانا بے حد محتاط ہو جاتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے مطالعہ کی روشنی میں انہیں اس نتیجہ پر ابرام تھا کہ اگرچہ امام مالک اور امام بخاری دونوں نے زہری پر اعتماد کیا ہے اور ان سے بکثرت روایات لی ہیں تاہم یہ ایسے ثقہ راوی نہیں تھے کہ ان کی روایت بے دھڑک ہو کر قبول کی جاتی۔ زہری ادراج کے ماہر تھے جبکہ انھوں نے صحیح بخاری کی کتاب الوحی کی ہرقل والی روایت آخر میں ابن ناطور کا واقعہ اپنی طرف سے داخل کر دیا ہے وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تخلیط روایات میں کوئی قباحت نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ انھوں نے متعدد روایات کو خلط ملط کر کے واقعہ افک کا افسانہ بنایا ہے۔ وہ عوامی خرافات کو دین بنا کر روایتوں میں داخل کر دیتے، جیسا کہ انھوں نے نبی کے آخری مرض کی روایت میں مریض کو سات ایسے مشکیزوں کے پانی سے نہلانے کا ٹوٹکا بتایا ہے جن کا منھ نہ کھولا گیا ہو جب کہ پیغمبر ایسی خرافات کا قلع قمع کرنے کے لئے آتا ہے۔ وہ مرسل روایتوں کو موصول کر کے پیش کر دیتے ہیں۔ اس بارے میں زرقانی نے بھی یہ تبصرہ کیا ہے کہ یہ تو ابن شہاب کی من کی موج ہے۔ وہ جس روایت کو چاہتے ہیں مرسل چھوڑ دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں موصول کر دیتے ہیں۔ زہری شیعیت کے لئے متہم ہی نہیں تھے بلکہ اس کو دین بنانے کے لئے انھوں نے خاصا کام کیا۔ مولانا کے نزدیک انھوں نے نہایت چابک دستی سے وہ تمام روایات صحیح مجموعوں میں داخل کر دی ہیں۔ جن سے شیعیت کا پورا مقدمہ قائم ہو گیا ہے۔ وہ حضرت عائشہ اور حضرت عمر کو مطعون کرنے والی روایات پیش کرتے ہیں جو ان محترم ہستیوں کے کردار سے بالکل مطابقت نہیں رکھتیں۔ مثلاً صحیح بخاری میں زہری کی روایت سے بیان ہوا ہے کہ ام المومنین حضرت سودہ شام کے دھندلکے میں ضرورت سے باہر جا رہی تھیں تو حضرت عمر نے انہیں آواز دی کہ اے سودہ! ہم نے آپ کو پہچان لیا کیونکہ حضرت عمر عورتوں کے لئے حجاب میں سختی چاہتے تھے۔ مولانا اس روایت پر سخت بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایسی ضرورت کے لئے ماں یا بیٹی بھی گھر سے باہر جا رہی ہو تو کوئی شائستہ اور باتمیز آدمی اس سے اس طرح کلام نہیں کرتا جیسا اس روایت کی رو سے حضرت عمر جیسے جلیل القدر صحابی نے ام المومنین سے کیا۔ حجاب کے حکم کے حوالہ سے بھی یہ طریقہ کوئی معقول طریقہ نہ تھا بلکہ نبی کو مشورہ کے انداز میں بات کہی جا سکتی تھی۔ حجاب کے مسئلہ کو مولانا موافقات عمر میں سے بھی نہیں مانتے۔ فرماتے ہیں کہ قرآن میں یہ مسئلہ اس طرح تو حل نہیں ہوا ہے جیسے حضرت عمر چاہتے تھے۔

صحیح بخاری کی متعدد روایات کے متن کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھ کر مولانا نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قابل قبول نہیں گردانا۔ ان کی روایات غیر تسلی بخش طریقہ سے کی گئی ہے۔ چند مثالیں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ باب ذکر فی ذھاب موسی فی البحر میں حضرت موسی علیہ السلام کے اس سفر کو جس میں وہ حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں نکلے سمندری سفر بتایا گیا ہے۔ قرآن میں حضرت موسی کے ساتھی کے پاس مچھلی کے تڑپ کر پانی میں چلے جانے کا ذکر ہے۔ پھر جب دونوں ساتھی سفر کر کے آگے نکل گئے اور بھوک محسوس ہونے پر مچھلی کی طلب ہوئی اور ساتھی نے اس کے پانی میں چلی جانے کا ذکر کیا تو موسی اپنے نقوش قدم تلاش کرتے ہوئے واپس مڑے۔ یہ دونوں باتیں صرف خشکی پر سفر کرتے ہوئے ممکن ہو سکتی ہیں لہذا حدیث کا بیان قرآن سے متعارض ہے۔ مزید براں مولانا فرماتے ہیں کہ اگر اس روایت کا تاثر یہ ہے کہ حضرت موسی کا یہ دعویٰ غلط تھا کہ روئے زمین پر ان سے بڑا عالم کوئی نہیں تو قرآن کی رو سے یہ دعوی ٹھیک تھا۔ رسول اپنے وقت کا سب سے بڑا عالم ہوتا ہے اور وہ اس بات کا برملا اظہار کرنے پر مامور بھی ہوتا ہے۔(۱۱)

۲۔ صحیح بخاری کے باب میں تفاضل اھل الایمان فی الاعمال کے تحت ایک حدیث کے الفاظ یوں بیان ہیں کہ دوزخ میں جلنے والے مجرمین کے بارے میں حکم ہوگا کہ رائی کے دانے کے برابر بھی جس مجرم کے اندر ایمان ہے اس کو دوزخ سے نکال لو۔ اس طرح جو لوگ جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے ان کو بھی نکال کر نہر حیات میں ڈالا جائے گا تو وہ دانوں کی طرح اگ پڑیں گے۔ مولانا کہتے ہیں کہ قرآن کی رو سے جب ایمان کا ہر چھوٹا بڑا ذرہ میزان میں تولے جانے کے بعد اللہ تعالی مجرمین کے لئے جہنم میں ڈالنے کا فیصلہ کرے گا تو پھر ایک اتنا قیمتی ذرہ جو دوزخ سے نجات کا باعث بن سکتا تھا۔ اعمال نامہ میں سے کیسے برآمد ہو جائے گا اور وہ پہلے کس طرح نظر انداز ہو گیا پھر قرآن کی رو سے مجرمین کے لئے خلود فی النار کی خبر دی گئی ہے۔ اس فیصلہ میں تبدیلی کیوں کر دی جائے گی۔؟ اس طرح کا عقیدہ یہود رکھتے تھے قرآن نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی نفی کی ہے اور بتایا ہے کہ ان کا من گھڑت عقیدہ ہے تو کیا انسانوں انسانوں میں سنۃ اللہ کا اطلاق الگ الگ بنیادوں پر ہوگا؟ مولانا کسی بھی عقیدہ کا قرآن میں موجود ہونا ضروری سمجھتے ہیں اور یہ عقیدہ قرآن میں نہیں ہے۔

۳۔ صحیح بخاری کے باب ۱۱ کی ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے متعدد کبیرہ گناہوں کے نہ کرنے پر بیعت لی اس کے بعد فرمایا کہ بیعت کے بعد اگر کسی نے ان گناہوں کا ارتکاب کیا، پھر اسے دنیا میں سزا دی جائے گی۔ وہ سزا اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گی۔ مولانا نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ قرآن مجید میں حقوق العباد میں خیانت اور دوسرے گناہوں پر توبہ کا ایک مخصوص طریقہ کار بتایا گیا ہے۔ یہ روایت اس طریق کار کو اختیار کیے بغیر گناہوں کی کفارہ ہونے کی بشارت دے رہی ہے۔ مولانا کے نزدیک دنیا میں جرم کی سزا ملنے سے صرف قانونی تقاضا پورا ہوتا ہے۔ آخرت میں اللہ کا معاملہ انہی شرائط پر ہوگا جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں۔ لہذا باب نقل کرنے میں راوی سے کوتاہی ہوئی ہے۔

۴۔ غار حرا میں جبرئیل امین علیہ السلام کی آمد اول کی حدیث کے بارے میں مولانا کا نقطہ نظر بالکل الگ ہے وہ سورہ علق کے انتہائی غضب آلود انداز بیان کی روشنی میں یہ رائے رکھتے ہیں کہ ایسی سورہ ابتدائی مکی دور میں نازل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کا انداز خطاب ہٹ دھرموں کو جھنجھوڑنے والا ہے اور دعوت کے عروج کے زمانے کے لئے موزوں ہے۔ سورہ کی ابتدائی پانچ آیتوں کو باقی سورہ سے الگ کرنے کی کوئی بنیاد بھی نہیں ہے۔ مولانا کے نزدیک جبریل امین علیہ السلام کی یہ آمد وحی پہنچانے کے لئے تھی ہی نہیں۔ اس کا مقصد پیغمبر ﷺ کے دل و دماغ کو روحانی طاقت کے ساتھ اتصال کے لئے تیار کرنا اور فرشتہ وحی کے ساتھ تعارف کرانا تھا۔ فرشتے نے آنحضرت ﷺ کو پڑھ کر سنانے کو کہا تو آپ نے جواب دیا کہ 'ماانابقاری' یعنی میں کوئی ذی علم آدمی نہیں کہ لوگوں کو پڑھاؤں سناؤں، اس پر فرشتے نے آپ کا سینہ بھینچا پھر کہا 'اپنے رب کے نام سے سناؤ' یہ آپ کو منصب رسالت پر فائز کرنے کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اطلاع تھی اس قول میں اشارہ سابق صحیفوں کی اس پیشینگوئی کی طرف بھی تھا کہ جب آخری نبی آئے گا تو اس کے منہ میں خدا کا کلام ہو گا۔ "وہ جن باتوں کو خدا کا نام لے کر کہے گا جو شخص ان کو نہ سنے گا تو میں ان کا حساب ان سے لوں گا۔ (استثنا ۸ : ۱۸۔۱۹)
مولانا کے خیال میں 'اقراء باسم ربك' کے الفاظ موجود پاکر کسی راوی نے سورہ علق کی پانچ آیتیں پڑھ دیں اور ان کے پہلی وحی ہونے کا تصور قائم ہو گیا۔

مولانا نے حضرت ابن عباس کی اس روایت پر بھی کلام کیا ہے جس کی رو سے نبی ﷺ قرآن کے نزول کے وقت شدید تکلیف میں ہوتے جس کے باعث آپ کے ہونٹ ہلنے لگتے۔ اس پر آیت "لا تحرك به لسانك" اتری۔ ابن عباس اپنے ہونٹوں کو اسی طرح حرکت دیا کرتے جس طرح آنحضرت ﷺ حرکت دیا کرتے تھے۔ مولانا یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ ابن عباس تو پیدا ہی ہجرت کے بعد ہوئے اور مذکورہ آیت جس نے نبی ﷺ کی زبان کو حرکت دینے سے روک دیا تھا۔ مکی دور میں نازل ہوتی تھی۔ جب ابن عباس نے یہ حرکت دیکھی نہیں تھی تو وہ اس کی تصویر کشی کس طرح کر لیا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی عجلت کا محرک جذبہ شوق ہوتا جو آنحضرت میں بدرجہ اتم موجود تھا۔ شدت تکلیف کا احساس ایک بالکل مختلف چیز ہے قرآن میں اس کا ذکر نہیں مزید برآں وحی کے تجربات نبی کے ذاتی تجربات ہوتے ہیں۔ دوسرے لوگ ان میں شریک نہیں ہو سکتے۔ ان معاملات میں کسی صحابی کی رائے بھی صرف اس وقت قابل قبول ہو گی جب اس کی بنیاد خود نبی کا بیان ہو۔

بعض اور روایات میں مولانا کی تنقیحات ان کے طریق تحقیق کی مزید وضاحت کریں گی :

۱۔ صحیح بخاری کے بالکل آغاز میں لائی گئی ہرقل اور ابو سفیان کے مابین مکالمہ پر مبنی روایت پر مولانا کی جرح یہ ہے کہ روایت نہ قول رسول ہے، نہ عمل رسول، نہ تقریر رسول، پھر یہ حدیث کس طرح سے ہو گئی کہ اسے صحیح احادیث کے مجموعے میں جگہ دی گئی۔ اگر ہرقل کی اہم باتوں کے باعث اسے شامل کیا گیا تو یہ باتیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمانوں کے لئے حجت نہیں ہو سکتیں۔ اس پر مستزاد اس روایت کے آخر میں ابن ناطور کا واقعہ ہے کہ جو اس تاثر کی کامل نفی کر دیتا ہے جو روایت کے پہلے حصہ سے قائم ہوتا ہے یعنی یہ کہ اچھے اہل کتاب آنحضرت کو ان کی علامات سے پہچانتے تھے۔ مولانا بخاری شریف میں اس واقعہ کا تذکرہ کی یہ توجیہ قبول نہیں کرتے کہ مشرکوں کے نجوم اور کہانت میں آنحضرت ﷺ کی رسالت کی شہادت اس میں پائی جاتی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کی رو سے علم نجوم اور کہانت شیطانی علم اور جھوٹ ہیں۔ ان کی شہادت پر تو اعتماد کرنا بھی جائز نہیں۔

۲۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی کے پاس ایک صحیفہ تھا۔ ان سے پوچھا گیا کہ اس صحیفہ میں کیا لکھا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ اس میں دیت کے احکام، قیدی کی گلو خلاصی کا حکم اور یہ ہدایت ہے کہ مسلمان کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔ مولانا کے نزدیک تیسری بات دین کے نظام کے خلاف ہے۔ اسلامی قانون اس کی تصدیق نہیں کرتا۔ خلفائے راشدین نے ایسی کوئی پالیسی نہیں بنائی جو اس ہدایت کے ساتھ مطابقت رکھتی ہو۔ لہٰذا روایت کے اس حصہ کے الفاظ راوی سے صحیح طور پر ادا نہیں ہوئے۔ (۱۲)

۳۔ ایک حدیث میں بیان ہوا ہے کہ قیامت میں اہل ایمان آثار وضو کے باعث روشن ہونے والے اعضاء سے پہچانے جا سکیں گے۔ اس روایت کے آخر میں یہ الفاظ ہیں کہ 'تم میں سے جو شخص اپنی اس روشنی کو طویل کر سکتا ہو تو ایسا کرے" ان الفاظ کے بارے میں مولانا یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ لوگ جب تک کہنیوں اور ٹخنوں سے کافی اوپر تک اعضاء کو نہ دھوئیں تو اطالہ نہیں ہوگا۔ جب کہ خود آنحضرت ﷺ کے عمل سے وضو میں اطالہ ثابت نہیں اور نہ وضو کی دوسری روایات میں کسی راوی نے یہ بات بیان کی ہے۔ مولانا کا قیاس یہ ہے کہ یہ ٹکڑا روایت کا حصہ نہیں بلکہ حضرت ابو ہریرہ کی رائے حدیث کے متن میں شامل ہو گئی ہے۔ (۱۳)

۴۔ صحیح بخاری کے باب ۶۱ میں حضرت انس کی روایت میں آیا ہے کہ

© rasailojaraid.com